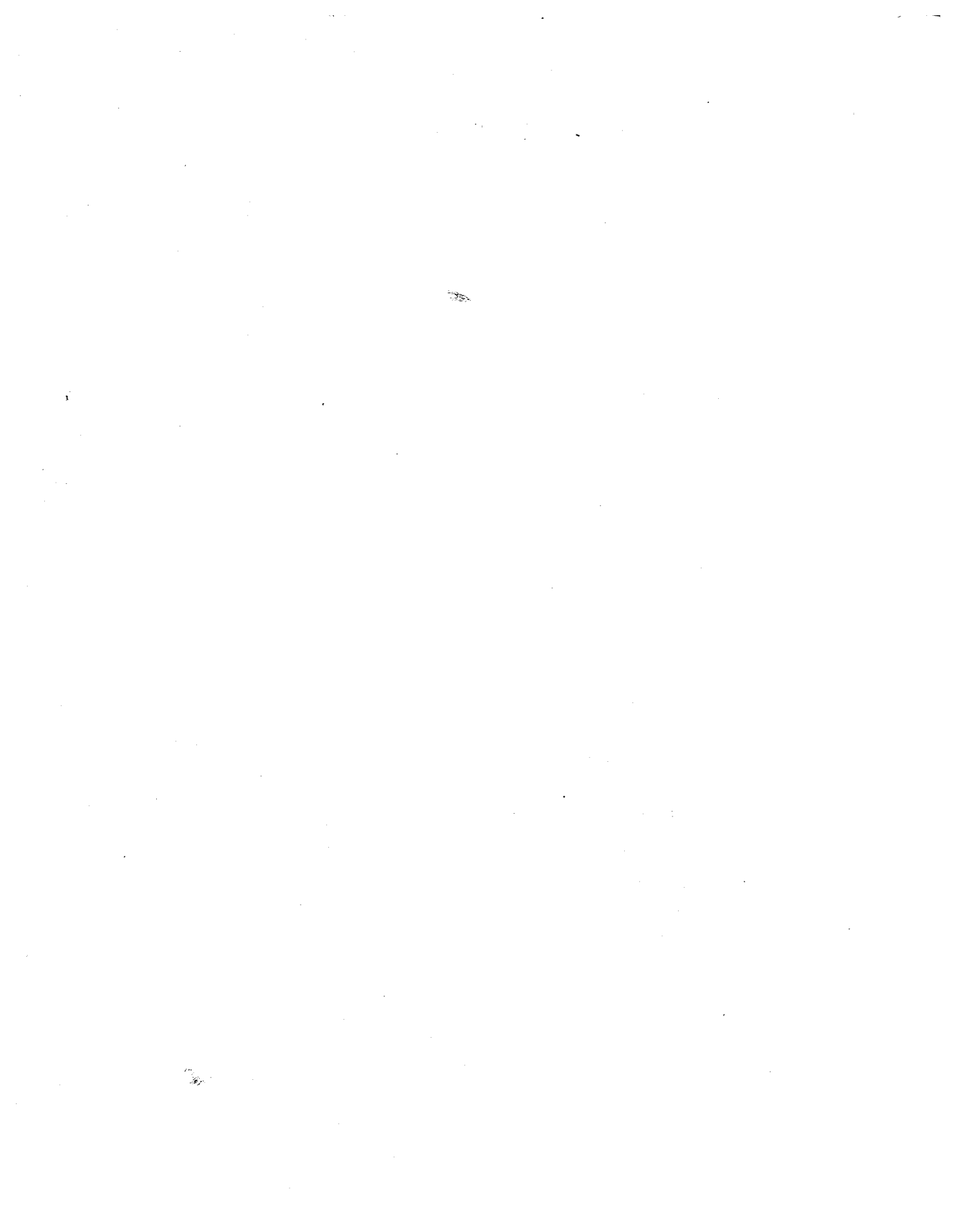


اردو مقالات



## تفسیر ضیاء القرآن میں تعین معنی کا منہج (تجزیاتی مطالعہ)

محمد شہباز حسن\*

قرآن مجید کا نزول چونکہ عربی زبان میں ہوا ہے، اس لیے تمام زمانوں میں مفسرین عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں بالخصوص مشکلات القرآن اور نادر الاستعمال الفاظ کی تشریح و توضیح میں انہوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں عربی لغت سے استدلال کیا تاکہ فہم قرآن و تفسیر میں قاری کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ آیات قرآن کی تشریح و توضیح میں عربی لغت سے استدلال کا رجحان عہد صحابہ میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ شعر جاہلیت سے مختلف الفاظ کے معانی کی تعین اور ان کا استعمال نہایت قدیم معلوم ہوتا ہے۔

قدیم و جدید تمام مفسرین عربی لغت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ البتہ عربی لغت سے استدلال کے مظاہر کسی کے ہاں کم اور کسی کے ہاں زیادہ۔ لیکن اس سے مستغنی کوئی بھی مفسر نہیں ہو سکا، اور نہ ہی ہو سکتا تھا۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری (۱۹۱۸ء - ۱۹۹۸ء) نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں بکثرت عربی لغت سے استدلال کیا ہے۔ ضیاء القرآن کی پانچوں جلدوں میں سے ہر ایک جلد کے آخر میں انہوں نے ”تحقیقات لغویہ“ کے عنوان سے ان الفاظ کی فہرست دی ہے جن کی وضاحت کی گئی ہے یا جن سے کسی مسئلے میں استدلال کیا گیا ہے۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور قواعد اشتقاق کے ذریعے اس کی وسعت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس کتاب مقدس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقفیت بہم پہنچائیں، اس کے ادب اور اسلوب انشاء کی خصوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آئینوں میں حقیقت کی جو شراب طہور چھلک رہی ہے اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔“

اس کے بعد پیر صاحب اپنا منہج تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی الجھن معلوم ہوئی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔“ (۱)

\* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان۔

ارشاد الہی ہے:

وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ الْمَكْرِيْنَ (۲)

”انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں ”مکر“ کی وضاحت کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

”اس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن اردو میں ہم اس لفظ ”مکر“ کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جب اس فعل کی نسبت ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذات مقدس ہو جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ ”مکر“ کا معنی صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ، جس سے دشمنان حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے، کریں گے۔ اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ قال المفضل و دبروا و دبر اللہ و المکر لطف التدیبر (بحر محیط)۔“ (۳)

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

”اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدہ مشکلات کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲: ۴۰) یعنی ”برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح“ حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْهِ (البقرہ ۲: ۱۹۴) یعنی ”جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔“ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو کارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرمادیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔“ (۴)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْسَىٰ اِنِّي مُتَوَقِّئُكَ (۵) میں توفیٰ کی بحث میں لکھتے ہیں:

”علم معانی کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ اب آپ لفظ توفیٰ کے معنی پر غور فرمائیے۔ تاج العروس میں لفظ ”وفی“ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتوفاه ای لم يدع منه شیئا یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ امام ابی عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: توفیت مالی من فلان ای قبضتہ یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا۔ یہ تو ہے لفظ توفیٰ کا حقیقی معنی۔“ (۶)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے: ومن المحجاز ادرکنه الوفاه ای الموت والمنیة وتوفی فلان اذا مات و توفاه الله عزوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے۔ اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔“ (۷)

اس کے بعد شاہ صاحب نے قرائن پر بات کی ہے، اور بعد ازاں جمہور مفسرین کا موقف ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

”ایک تو اس آیت کا سیاق و سباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدما مانتے ہو وہ تو مرچکے ہیں۔ اور جو مرچائے گیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

قرآن کی اس آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے: قال الحسن قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لليهود ان عيسى لم يموت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة ”رسول اللہ ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ عیسیٰ مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔“ ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

”متوفيك اى مستوفى اجلك ومؤخرك الى اجلك المسمى عاصما اياك عن قتلهم (بيضاوى) ”اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل سے بچائے گا۔“ متوفيك اى مستوفى اجلك معناه انى عاصمك من ان يقتلك الكفار (كشاف)۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں: اولى الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنى ذلك انى قابضك من الارض ورافعك الى لتواتر الاخبار من رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يعنى ميرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث متواترہ سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔“ (۸)

### قرآن سے لفظ کے معنی و مفہوم کا تعین

پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں بعض مقامات پر قرآنی الفاظ کے معانی اور مفاہیم کو قرآن سے ہی متعین کیا ہے۔ اس موقف کو واضح کرنے کے لیے تفسیر مذکورہ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد الہی ہے: وَرُوحٌ مِّنْهُ (۹) ”اور وہ روح تھی اس کی طرف سے۔“ عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ کہہ کر ان کے خصوصی شرف و مقبولیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ورنہ ان الفاظ سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جز ہیں اگر روح منہ کے الفاظ سے جزیت ثابت کی جائے تو اس میں عیسیٰ کی قطعاً کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں مفسر موصوف قرآن کریم کے اس قسم کے مختلف اسالیب کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیونکہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق صاف موجود ہے کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر ۱۵: ۲۹) کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونک دی۔ صرف آدم نہیں بلکہ تمام اولاد

آدم کے متعلق ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَّهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ (السجدة ۳۲: ۸-۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر بچہ آدم کو مادہ منویہ سے تخلیق کر کے اور اس کے اعضاء کو درست کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔ صرف آدم و بنی آدم ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا جزو ماننا پڑے گا وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثية ۲۵: ۱۳) اگر من روحہ اور منہ کے الفاظ سے کسی چیز کی جزیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اگر وہی لفظ حضرت مسیح کے لیے استعمال ہوں تو ان سے جزیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔“ (۱۰)

مسئلہ عصمت انبیاء پر آدم علیہ السلام کے بارے میں استعمال ہونے والے الفاظ فَازَلَهُمَا الشَّيْطٰنُ (۱۱) سے بظاہر اشکال واقع ہوتا تھا۔ پیر صاحب نے زلۃ کی لغوی تحقیق اور قرآن سے اس کے معنی کی تعین سے اس اشکال کو طشت از با م کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اسے گناہ نہیں کہتے اور ایسے امور کا صدور عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے: فَازَلَهُمَا ابْآپ ”زلۃ“ کی لغوی تحقیق پر غور کیجیے۔ الزلۃ فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد: بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا: فَانْسَى وَ لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طہ ۲۰: ۱۱۵) یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جاسکتا۔“ (۱۲)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے تذکرے میں اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (۱۳) کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ بعض لوگ امہات المؤمنین کو اہل بیت میں شامل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ درحقیقت لفظ اہل کے استعمالات قرآنیہ اور حقیقی مفہوم سے قطعی لاعلم ہیں۔ حالانکہ قرآنی اصطلاح میں اہل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر بھی ہوتا ہے۔ مفسر موصوف قرآنی دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی، صرف حضرت سارہ زوجہ خلیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے بارے

میں ارشاد ہے: رَحِمْتُ اللّٰهَ وَ بَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (ہود: ۷۳) کوئی آدمی بھی یہ جرات نہیں کر سکتا کہ یہاں اہل بیت کے لفظ سے حضرت سارہ کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جا رہے ہیں۔ ان کا گزر وادی سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے، جاڑے کا موسم ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَىٰ الْاَجَلَ وَسَارَ بِاهِلِهِ اَنْسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِاهِلِهِ امْكُثُوا اِنِّي اَنْتُمْ نَارًا (۲۸:۲۹) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقرر کی ہوئی مدت پوری کر لی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورہ ط میں ہے: فَقَالَ لِاهِلِهِ امْكُثُوا اِنِّي اَنْتُمْ نَارًا (۱۰:۲۰) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ قرآن کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنے پر مصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔“ (۱۴)

ختم نبوت سے متعلقہ آیت کریمہ میں وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: ۳۳:۴۰) میں خاتم کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

”اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی ”آخری“ ہے۔ اس معنی کی تائید کے لیے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ خَتْمُهُمْ مِثْلُ الْمَطْفِقِينَ (۸۳:۲۶) ای آخرہ مسک یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔“ (۱۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ مِثْلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ (۱۶)

”یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں، نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مترجم) ہیں۔“

آیت ما نحن فیہ میں لفظ مثل کا کیا معنی ہے؟ اہل لغت نے قرآن کی کئی آیات سے اس لفظ کا معنی



متعین کیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

امام لغت جوہری مثل کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مثل الشيء أيضا صفة (صحاح) یعنی مثل کے دوسرے معانی کے علاوہ ایک یہ معنی بھی ہے کہ کسی چیز کی صفت کو حالت و مثل کہتے ہیں۔ قال ابن سيدة ومنه قوله تعالى: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ (محمد ۴۷: ۱۵) وقال ابواسحاق معناه صفة الجنة (تاج العروس/لسان) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مثل کا معنی صفت ہے۔ ابواسحاق سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ (۱۷)

اہل جہنم کے بارے میں جو لفظ احقبا (۱۸) استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد غیر محدود مدت ہے۔ جن لوگوں نے محدود مدت مراد لی ہے ان کے بارے میں مفسر لکھتے ہیں:

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے خصوصاً جب قرآن کریم میں چونتیس مقامات پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابد کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو، کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ (۱۹)

حدیث و سنت سے معنی و مفہوم کی تعین

الفاظ کے کئی معانی میں سے مرادی معنی کی تعین کے لیے بہت سے مقامات پر صاحب ضیاء القرآن نے حدیث و سنت سے مدد لی ہے اور حدیث نبوی سے ثابت ہونے والے معنی و مفہوم کو انہوں نے اکثر حرفِ آخر قرار دیا ہے۔ البتہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے۔“ (۲۰)

حالانکہ بہت سی آیات قرآنیہ میں مفہوم کا پتہ ہی احادیث نبویہ سے چلتا ہے۔ بلکہ اگر کسی آیت کریمہ کا مفہوم حدیث نبوی سے متعین ہو جائے تو وہ پتھر پر لکیر ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ دریں صورت حدیث نبوی میں بیان کردہ مفہوم سے عدول حدیث نبوی کو قرآن کریم کا ”بیان“ نہ ماننے کے مترادف ہے۔ بحریف ذیل میں چند ایسی مثلہ پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ مفسر الازہری احادیث نبویہ سے آیات قرآنیہ کا مفہوم متعین کرتے ہیں:

سورة النساء ☆ میں آنے والے المحصنت (شادی شدہ عورتیں)، محصنین (پاک دامن مرد)، المحصنت (آزاد عورتیں) اور محصنت (پاک دامن عورتیں) جیسے الفاظ مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ موصوف مفسر آیت کریمہ فَاِذَا اُحْصِنَ فَاِنَّ اَتَيْنَ بِفَاِحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصِنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (۲۱) ”اور جب وہ نکاح کے ذریعے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وہ بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس لیے موقع و محل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا خصوصاً معنی کا وہ تعین جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ قطعی ہوگا اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔ یہاں محصنات کا معنی آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں اور یہاں محصنات کا یہ معنی حضور کریم ﷺ کا متعین کردہ ہے کیونکہ سنت نبوی کے مطابق انہیں کی سزا سو درے ہے جس کا نصف پچاس درے مسلمان لونڈی کی سزا ہے۔“ (۲۲)

عیسیٰ علیہ السلام ایک سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (۲۳)

”اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھایا تو تو ہی نگران تھا ان پر۔“

اس آیت کی تفسیر میں موصوف مفسر نے مختلف لغات اور تفاسیر کی مدد سے لفظ الوفاة کے کئی معانی ذکر کیے ہیں۔ بعد ازاں لکھتے ہیں:

”اب جب یہ لفظ ان متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدد معانی میں سے کون سا معنی مراد ہے دوسرے قرآن کو دیکھنا ہوگا اور اگر حدیث صحیح سے کوئی معنی متعین ہو جائے تو پھر دوسرے معانی کا احتمال ختم ہو جائے گا اور صرف وہی معنی لیا جائے گا جو حضور ﷺ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قبل و قال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیث نبویہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تو اب آیات قرآنی کو اپنے اغراض و احوال کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔“ (۲۴)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں تَوَفَّيْتَنِي کا معنی وفات (موت) بھی لے لیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ اس وقت مسلمانوں کا ہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام یہ بات روز قیامت

کہیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں سارا بیان ہی قیامت کا ہو رہا ہے اور اس کے واضح قرآن و شواہد موجود ہیں۔ مثلاً یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (۲۵)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس دن فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ۔“

ظاہر ہے اعمال کا بدلہ آخرت میں ہی ملے گا۔

روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی وفات ہو جانے کا ذکر کرنا ان احادیث کے منافی نہیں جن میں حیات مسیح کا بیان ہے کیونکہ نزول مسیح کے بعد مسیح علیہ السلام کی موت طبعی ہوگی جس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں۔

آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ ☆ کی تفسیر میں خاتم کی لغوی بحیثی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی قول فیصل اور حرف آخر حضور علیہ السلام کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔ آئیے اب احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے خاتم النبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے لیے بے شمار صحیح احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سات احادیث، جن میں فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔ و ختم بی النبیین۔ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی۔ انا آخر الانبیاء واتم آخر الامم۔ لو كان بعدی نبی۔ لانبی بعدی۔ انا خاتم النبیین لانبی بعدی جیسے الفاظ آئے ہیں، نقل کر کے مفسر موصوف نے تبصرے کیے ہیں۔ پھر بعض مفسرین کے اس سلسلے میں اقوال نقل کیے ہیں کہ سنت مطہرہ سے آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ علامہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقد اخبر الله تعالى في كتابه ورسوله ﷺ في السنة المتواترة عنه انه لانبی بعده.....

علامہ سید محمود آلوسی (م: ۱۲۷۰ھ) روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وكونه ﷺ خاتم النبیین مما نطق به الكتاب وصرحت به السنة..... (۲۶)

یوم التغابن ☆ کا مفہوم بھی مفسر موصوف نے احادیث سے متعین کیا ہے:

”بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے، اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دیے جائیں گے جو راہ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب سے نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہل جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

ما من عبد يدخل الجنة الا ارى مقعده من النار لو اساء ليزداد شكرا وما من عبد يدخل النار الا ارى مقعده من الجنة لو احسن ليزداد حسرة۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔“ (۲۷)

اس کے علاوہ تغابن کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے انہوں نے صحیح مسلم و ترمذی اور بخاری شریف سے دو

احادیث پیش کی ہیں۔ (۲۸)

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً ☆ کی تفسیر میں ترتیل کا لغوی معنی بتانے کے بعد لکھتے ہیں:

”اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بینہ نبینا ولا تنثره نشر الدقل ولا تهزه هز الشعر۔ قفوا عند عجائبه وحرکوا به القلوب ولا یکن ہم احد کم اخر

السورة۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ ”اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو، ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ، اپنے دل کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔“ (۲۹)

اہل البیت میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سب سے پہلے شامل ہیں۔ اس بات کا حدیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے مفسر موصوف لکھتے ہیں:

”حدیث شریف میں ہے: ان النبی ﷺ اعطى الآهل حظین والعزب حظا۔ الآهل الذی له زوجة وعیال۔ حضور علیہ السلام نے آہل کو مال غنیمت میں دو حصے دیے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آہل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔“ (۳۰)

اس قسم کی بیسیوں مثالیں تفسیر ضیاء القرآن میں موجود ہیں کہ وہ حدیث نبوی سے بھی قرآنی لفظ کے معنی و مفہوم کا تعین کرتے ہیں۔

### سیاق و سباق سے معنی کی تعین

تفسیر ضیاء القرآن میں بعض مقامات پر سیاق و سباق سے بھی معنی کی تعین کی صراحت کی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

مفسر سیاق و سباق کی مدد سے لفظ متونی کا حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ لغت میں تونی کا معنی کسی چیز کو پورے کا پورا لے لینا اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑنا ہوتا ہے۔ آیت کریمہ اِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي اِنِّي مُتَوَقِّئُكَ (۳۱) میں لفظ الوفاة مراد لینے کا ایک قوی قرینہ سیاق و سباق بھی ہے۔ لکھتے ہیں:

”ایک تو سیاق و سباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدما مانتے ہو وہ تو مرچکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔“ (۳۲)

قرآن مجید میں محصنین اور محصنات کے الفاظ کا کئی بار تکرار ہوا ہے۔ (۳۳) کسی جگہ ان کا معنی

شادی شدہ کہیں پاکباز اور کہیں آزاد ہے۔

ایک ہی لفظ کے معانی قدم قدم پر بدلتے ہیں اس کے بارے میں مفسر موصوف لکھتے ہیں:

اس لیے موقع و محل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا۔ (۳۴)

آیت کریمہ **فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَوةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا (۳۵)** ”پس آئی آپ کی بیوی چپیں بچیں ہو کر اور (فرط حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر“۔ میں آنے والے لفظ ”صَرَوةٍ“ کا معنی بعض اہل لغت کے مطابق ”زور سے چیخنا“ ”جماعت“ اور ”اظہار ناپسندیدگی کے لیے چہرے پر بل ڈالنا“ لکھا ہے۔ مفسر نے آخری معنی کو اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”چونکہ وہی مناسب حال ہے اس لیے میں نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا

ہے۔“ (۳۶)

اس معنی یعنی تصکیت الوجه من الکراهة کی عقلی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے:

”جب انسان از حد متحیر ہوتا ہے اس کی پیشانی پر بل پڑ جانا اور اس کا چپیں بچین ہونا ایک قدرتی امر

ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (۳۷)

نزول قرآن کے وقت کے معانی الالفاظ کی تعیین

صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے بہت سے مقامات پر فہم عرب کے مطابق الفاظ کے معانی مراد لینے کی

صراحت کی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ**

”یا پکڑے انہیں جبکہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں“ (۳۸)

تخوف کا ایک معنی تو وہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے جبکہ دوسرا معنی تنقص ہے جس کا معنی ہے

آہستہ آہستہ کم کرنا۔ ایک روایت کے ذریعے مفسر نے اس معنی کو واضح کیا ہے، لکھتے ہیں:

”حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف

فرماتے۔ آپ نے پوچھا اے لوگو! **أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ** کا کیا مطلب ہے؟ سب خاموش

ہو گئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا اور اس نے عرض کی اے امیر المؤمنین! یہ ہماری لغت ہے

یہاں التخوف کا معنی التنقص ہے یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹنے چلے جانا۔ آپ نے پوچھا کیا

یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولاجی ہاں ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی

اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا:

تخوف الرحل تامکا قردا کما تخوف عود النبعة السفن  
کہ بجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے۔ جس طرح بچہ درخت  
کی لکڑی کو گھسانے والا آگھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے۔“ (۳۹)

آیت کریمہ وَلَا تَصْعَرُ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (۴۰) ”اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں  
کی طرف سے“ میں آنے والے لفظ تصعر کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ صعر اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ جب یہ لگتی ہے تو اونٹ کی  
گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ الصَّعْرُ دَاءٌ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ فَيَلْوِي مِنْهُ عُنُقَهُ وَيَمِيلُهُ۔ اسی مناسبت سے  
جب کوئی شخص ازراہ غرور و نخوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں قَدْ صَعَّرَ  
خَدَهُ وَصَاعَرَهُ: أَمَالَهُ مِنَ الْكِبَرِ۔ اس مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

و كُنَّا إِذَا الْجَبَّارُ صَعَرَ خَدَهُ اقمناله من ميله فتنقوما  
یعنی جب کوئی جاہل شخص ازراہ تکبر اپنے رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم بزور شمشیر اس کی کبھی کو دور کر دیتے ہیں اور  
وہ درست ہو جاتا ہے۔ (۴۱)

مخاطب کرنے میں عادتاً العرب کا ذکر بِأَيِّهَا الْمُزْمَلُ (اے چادر لپیٹنے والے) کے خطاب کی روشنی میں  
کرتے ہیں لکھتے ہیں:

”عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو،  
اسی سے اسم مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سورہے تھے۔ اسی اثناء  
میں سوئے ہوئے بختوں کو جگانے والا تشریف لے آیا اور فرمایا قم یا نومان۔ اے سونے  
والے، جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہراء علی  
ایہا وعلیہا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آ کر لیٹ گئے۔  
حضور ﷺ آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا: قم یا ابا تراب۔ اے مٹی کے باپ  
اٹھو! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابو ہریرہ (بلی کا باپ ☆) فرما دیا۔ وہ اسی  
خطاب سے مشہور ہو گئے اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے  
ہیں: ندائه عليه السلام تانيس له وملاطفة على عادة العرب..... كل ما يفعل المحبوب

محبوب۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق ازراہ انس و لطف یوں خطاب فرمایا..... درحقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔“ (۴۲)

”الْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ“ (۴۳) ”غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے“ میں زرتم کی تفسیر میں مفسر موصوف لکھتے ہیں:

”جو شخص مر جائے اہل عرب کہتے ہیں: قد زار قبرہ۔ گویا زیارت قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔“ (۴۴)

اسی قسم کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ (۴۵)

### حقیقی و مجازی معنی کی تعیین

حقیقی اور مجازی معنی کے فرق کی صراحت صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے اکاد کا مقامات پر کی ہے۔ دو مثالیں درج ذیل ہیں:

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ”وفاة“ سے بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی ”موت“ مراد لی ہے۔ حالانکہ ”توفی“ کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے لینا ہے۔ موصوف مفسر نے اس کو مختلف ماہرین لغت کے اقوال سے ثابت کیا ہے۔ (۴۶)

وفاة کا لفظ موت کے معنی میں مجازی ہے۔ مفسر مرحوم لکھتے ہیں:

”ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے:

ومن المعجاز ادرکنه الوفاة ای الموت والمنیة وتوفی فلان اذ مات توفاه الله عزوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرآن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔“ (۴۷)

آیت کریمہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (۴۸) میں مجازی معنی کیوں مراد نہیں لیا جائے گا، مفسر مرحوم لکھتے ہیں:

”ایک تو اس آیت کا سیاق و سباق اس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں



سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔“ (۴۹)

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ (۵۰)

البتہ و کلمتہ (۵۱) جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے تو اس کا اطلاق حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً

ہے۔ (۵۲)

### مشہور و ظاہر معنی کو ترجیح

ظاہری اور معروف و مشہور معنی کے اختیار کی کئی مثالیں اس تفسیر میں موجود ہیں چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (۵۳) میں دُلُوكِ کا معنی ”ڈھلنا“ لیا گیا ہے۔ مفسر لکھتے ہیں:

”دُلُوكِ“ کا معنی اگرچہ غروب آفتاب بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ”زوال“ ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ فی القاموس: دلکت الشمس دلو کا غربت او اصعر او زالت

عن كبد السماء والحمل على الزوال اولی۔“ (۵۴)

خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا بھی ہوتا ہے مگر اس کا مشہور اور ظاہر معنی آخری ہے اسی کو مفسر نے اختیار کیا

ہے۔ (۵۵)

نسیان کا معنی بھلانا اور ترک کرنا ہے۔ ”بھلانا“ اس کا مشہور اور متبادر الی الذہن معنی ہے۔ مگر آیت کریمہ اِنَّا نَسِينُكُمْ ☆ ”ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا“ میں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو کہ شان الہی کے منافی ہے اس لیے مشہور معنی چھوڑ کر مفسر نے دوسرا معنی اختیار کیا ہے۔ (۵۶)

### لفظ کا شرعی معنی و مفہوم

شرعی اور لغوی معنی کے فرق کی وضاحت بھی بعض مقامات پر مفسر ازہری نے کی ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ (۵۷) کی تفسیر میں سجدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے: وضع الجبهة الارض

”پیشانی کا زمین پر رکھنا“۔

..... یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء

کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے۔“ (۵۸)

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی ہے کہ لفظ کے معنی کی تعیین میں جن اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ان کو ان پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

### الفاظ قرآنی سے باطل استدلال کا رد اور عقلی توجیہات

وہ عقل جو وحی کے مقابلے میں یا دلائل کتاب و سنت کے خلاف ہو وہ کبھی بھی وحی کا بدل (۵۹) نہیں ہو سکتی۔ نصوص قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے جن لوگوں نے التفسیر العقلی کی ہے انہوں نے غلط رجحان اختیار کیا ہے۔ البتہ تمام احکام شریعت اور روح شریعت کو مدنظر رکھ کر جن مفسرین نے عقلی تفسیر کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اتجاء التفسیر العقلی کی تصحیح بھی اس کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عقل سے تعیین معنی کی احتیاج محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ ضرورت معانی الالفاظ کی تخصیص میں بھی پیش آتی ہے۔

حضرت سارہ زوجہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عمل فَصَّكَتُ وَجَهَّهَا (۶۰) ”پس طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر“ کی تفسیر میں غلط استدلال کی عقلی تردید کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

”بعض نادان لوگ فَصَّكَتُ وَجَهَّهَا کے لفظ سے ماتم کرنے اور سپٹنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اسے حضرت سارہ کی سنت کہتے ہیں۔ وہ خود ہی فرمائیں کہ کیا انہیں حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ایسی ہی حیرت اور مسرت ہوئی ہے جس طرح حضرت سارہ کو فرزند کی بشارت سے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہی ہے تو انہیں زور زور سے منہ پر طمانچے مارنے چاہئیں۔ خاندان نبوت کی پامالی پر وہ جتنا حیرت اور جس طرح مسرت کا اظہار کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے امام پاک کو دھوکا سے کوفہ بلایا اور پھر ابن زیاد کے ساتھ مل کر گلستان نبوت کو تاخت و تاراج کیا۔ اگر ایسے نامبارک منصوبے کی کامیابی پر وہ خوش نہ ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا، لیکن وہ ایمان دار جن کے دل سانحہ کر بلا سے ٹکڑے ٹکڑے ہیں، جن کی آنکھیں اس حادثہ فاجعہ سے اشک بار رہتی ہیں وہ کس طرح خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ خوشی اور حیرت کے موقع پر کسی عورت کا اپنے منہ پر یوں طمانچہ لگانا اور ہے اور کسی کے غم میں اپنا منہ اور سینہ لہولہا کرنا اور ہے۔“ (۶۱)

### خلاصہ بحث

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے قرآنی الفاظ کے معانی کی تعیین میں درج ذیل آٹھ امور کو پیش نظر رکھا ہے:

۱۔ قرآن سے لفظ کے معنی و مفہوم کا تعیین

- ۲۔ حدیث و سنت سے معنی و مفہوم کی تعیین
- ۳۔ سیاق و سباق سے معنی کی تعیین
- ۴۔ نزول قرآن کے وقت کے معانی الفاظ کی تعیین
- ۵۔ حقیقی و مجازی معنی کی تعیین
- ۶۔ مشہور و ظاہر معنی کو ترجیح
- ۷۔ لفظ کا شرعی معنی و مفہوم
- ۸۔ الفاظ قرآنی سے باطل استدلال کا رد اور عقلی توجیہات

## حوالہ جات و حواشی

- (۱) پیر محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور/۱۱۱-۱۱۲
- (۲) ال عمران: ۳/۵۴
- (۳) ضیاء القرآن: ۱/۲۳۴
- (۴) ایضاً: ۱/۲۳۵
- (۵) ال عمران: ۳/۵۵
- (۶) ضیاء القرآن: ۱/۲۳۵-۲۳۶
- (۷) ایضاً: ۱/۲۳۶
- (۸) ایضاً
- (۹) النساء: ۴/۱۷۱
- (۱۰) ضیاء القرآن: ۱/۴۲۵-۴۲۶
- (۱۱) البقرة: ۲/۳۶
- (۱۲) ضیاء القرآن: ۱/۴۹
- (۱۳) الاحزاب: ۳۳/۳۳
- (۱۴) ضیاء القرآن: ۴/۵۵، نیز دیکھیے ۲/۳۷۹
- (۱۵) ایضاً: ۴/۶۹
- (۱۶) الفتح: ۴۸/۲۹
- (۱۷) ضیاء القرآن: ۴/۵۷۰
- (۱۸) النبأ: ۷۸/۲۳
- (۱۹) ضیاء القرآن: ۵/۴۷۲
- (۲۰) ایضاً: ۴/۵۵ بذیل سورة النساء: آیات ۲۴-۲۵
- (۲۱) النساء: ۴/۲۵
- (۲۲) ضیاء القرآن: ۱/۳۳۶
- (۲۳) المائدة: ۵/۱۱۷
- (۲۴) ضیاء القرآن: ۱/۵۲۶